التقریظ والانتقاد

ید بیضا

(پروفیسر محمد اسلم، شعبۂ تاریخ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور)

امام انقلاب حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ اور شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوریؒ کے مرشد خلیفہ غلام محمد دین پوری نور اللہ مرقدہ کا شمار اُن اکابرین میں ہوتا ہے جنہوں نے برصغیر پاک و ہند کی سیاسی، فکری، مذہبی، روحانی اور معاشرتی تاریخ میں اپنی سیرت اور کردار کے انمٹ نقوش چھوڑے ہیں

حال ہی میں اُن کے پوتے مولانا خلیل احمد حامی عبیدی نے۔ ید بیضا۔ کے عنوان سے اپنے جدِ امجد کے سوانح حیات شائع کیے ہیں جس میں انہوں نے اُس دَور کی سیاست میں خلیفہ غلام محمد علیہ الرحمتہ کے کردار کا بھی ذکر کیا ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ برصغیر پاک و ہند میں دیوبند کے بعد بھر چونڈی شریف، امروٹ شریف اور دین پور شریف تحریک آزادی کے تین اہم مرکز تھے، جہاں بقول مولانا عبید اللہ سندھیؒ "جنیدِ وقت" حافظ محمد صدیقؒ، مولانا تاج محمود امروٹیؒ اور خلیفہ غلام محمد دین پوری اپنے اپنے حلقوں میں تحریک آزادی کے کارکنوں کی رہنمائی فرما رہے تھے۔ ان تینوں بزرگوں کے شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کے ساتھ بڑے گہرے روابط تھے اور ریشمی رومال کی تحریک میں ان بزرگوں نے بھرپور حصہ لیا تھا۔

برطانوی سی آئی ڈی کی رپورٹ کے مطابق خلیفہ غلام محمد قدس سرہٗ جنودِ ربانیہ میں لیفٹننٹ جنرل کا عہدہ رکھتے تھے۔ مولانا عبید اللہ سندھیؒ نے انہیں کابل آنے کی دعوت دی لیکن موصوف سفر کی صعوبتوں کی بنا پر وہاں نہ جا سکے۔ انگریز حکام نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ ۱۹۱۵ء میں بلوچستان میں انگریزی سامراج کے خلاف قبائل نے جو بغاوت کی تھی وہ خلیفہ صاحب کی کوششوں کا نتیجہ تھی تحریک آزادی میں حصہ لینے کے "جرم" کی پاداش میں برطانوی حکومت نے خلیفہ صاحب کو ان کے محل اقامت میں نظر بند کر دیا۔ جب موصوف رہا ہو کر دین پور تشریف لے گئے تو ان کی نقل و حرکت پر کڑی پابندیاں

عائد کردیں۔

یہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ حصول آزادی کے بعد تنگ نظر مورخوں نے اُن مجاہدین آزادی کے ساتھ انصاف نہیں کیا اور ہمارے جن بزرگوں نے انگریزی عہد میں قید و بند کی صعوبتیں جھیلیں اور شدید گرمی کے موسم میں ماہِ رمضان میں روزے رکھ کر کال کوٹھڑیوں میں کھڑے ہو کر روزانہ من من بھر دانے پیسے ان کے نام تحریک آزادی کی تاریخ لکھتے وقت دیدہ دانستہ طور پر حذف کر دیئے گئے

راقم الحروف نے مشہور مورخ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی صاحب کی کتاب۔ برصغیر پاک وہند کی ملتِ اسلامیہ۔ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا تھا کہ اس کتاب میں فاضل مصنف نے تحریک آزادی کے ابواب لکھتے وقت ان مسلمانوں کا ذکر نہیں کیا جو مجلسِ احرار اسلام، خاکسار تحریک یا جمعیت علمائے ہند سے وابستہ تھے۔ قریشی صاحب کی مرتب کردہ تاریخ پڑھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مسلم لیگ کے علاوہ مسلمانوں کی کسی دوسری سیاسی جماعت نے تحریک آزادی میں حصہ نہیں لیا۔ راقم الحروف کو مجلس احرار اسلام سے بہت سے گلے ہیں، خاکساروں سے بھی کئی شکایتیں ہیں اور جمعیت علمائے ہند کی سیاسی مسلک سے بھی اختلاف ہے لیکن حصول آزادی کے لئے اُن کی جد وجہد، ایثار و قربانی اور انگریز دشمنی سے چشم پوشی ممکن نہیں۔ مولانا تاج محمود امروٹی رح کے دل میں انگریزوں کے خلاف جو نفرت تھی اس کی شدت کا اندازہ اُن کے اس قول سے لگایا جا سکتا ہے کہ موصوف فرمایا کرتے تھے کہ ان کا جی چاہتا ہے کہ قصرِ بکنگھم میں جا کر جارج پنجم کی گردن مروڑ ڈالیں۔ اسی طرح امیرِ شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کبھی کبھی جوش میں آ کر۔ لعنت بر پدر فرنگ۔ کا نعرۂ مستانہ لگایا کرتے تھے۔ پنجاب کے اُن پیروں اور سجادہ نشینوں کو حضرت امروٹیؒ یا شاہ جی سے کیا نسبت ہو سکتی ہے جنہوں نے پنجاب کے رسوائے زمانہ گورنر مائیکل اوڈوائر کو اس کی ملازمت سے سبکدوشی کے موقعہ پر ملتان میں سپاس نامہ پیش کرتے ہوئے کہا تھا کہ وہ لندن جا کر اُن کی وفاداری اور خلوص و ایثار کو فراموش نہ کر دے اور اُن کے پُر خلوص جذبات سے ملک معظم جارج پنجم کو بھی

آگاہ کردے۔ تحریکِ آزادی میں ان پیروں اور سجادہ نشینوں کی "خدمات" کو ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی ادران کے ہمنوا مؤرخوں نے اپنی تصانیف میں بڑھا چڑھا کر پیش کیا ہے لیکن جارج پنجم کی گردن مروڑنے کی تمنا رکھنے اور انگریزوں پر تبرّا کرنے والے بزرگوں کا ذکر تک نہیں کیا۔ ؎

نیرنگیٔ سیاستِ دوراں تو دیکھئے   منزل انہیں ملی جو شریکِ سفر نہ تھے

ہمیں اس بات کا گلہ ہے کہ قریشی صاحب نے اپنی کتاب کا نام تو ـ برِ اعظم پاک و ہند کی ملتِ اسلامیہ ـ رکھا ہے لیکن اس میں تذکرہ صرف مسلم لیگ کا ہے۔ حالانکہ ملتِ اسلامیہ میں مذکورہ بالا سیاسی جماعتیں بھی شامل ہیں اور "کانگرسی مسلمان" بھی ملتِ اسلامیہ ہی کے فرزند ہیں ـ علمائے دیوبند نے انگریزوں کے خلاف اس وقت علمِ جہاد بلند کیا جب ابھی گاندھی جی اور قائدِ اعظم پیدا بھی نہیں ہوئے تھے اور انڈین نیشنل کانگرس اور آل انڈیا مسلم لیگ کی تشکیل کا ہیولا بھی کسی کے ذہن میں نہیں بنا تھا۔ اکابرِ دیوبند نے اس خوابیدہ قوم کو جھنجوڑ جھنجوڑ کر خوابِ غفلت سے بیدار کیا۔ جب کوئی قوم بیدار ہو جائے تو پھر کوئی شخص بھی اس کی قیادت کر سکتا ہے اصل اور مشکل کام تو قوم کو بیدار کرنا ہے۔ یہ بڑے اچنبھے کی بات ہے کہ برصغیر کے ایک نامور مؤرخ کو مسلم لیگ کے علاوہ مسلمانوں کی اور کوئی جماعت تحریکِ آزادی میں شامل نظر نہیں آئی ۔ ابھی حال ہی میں دیوبند سے مولانا انظر شاہ صاحب نے اپنے عظیم والد مولانا محمد انور شاہ کشمیری نوّر اللہ مرقدہٗ کی سوانحِ حیات ـ نقشِ دوام ـ کے عنوان سے شائع کی ہے۔ اُسے پڑھ کر ایک قاری یہی تاثر لیتا ہے کہ حنفیوں کے علاوہ اور کسی فقہی مسلک سے وابستہ لوگ مسلمان نہیں ہیں اور اسلام درحقیقت حنفیت ہی کا دوسرا نام ہے۔ یہ حقائق سے چشم پوشی کی انتہا ہے ۔ اس دور میں اس طرح کے رجحانات کی جتنی بھی مذمت کی جائے کم ہے۔

اکابرِ دیوبند اور بزرگانِ بھرچونڈی، امروٹ اور دین پور شریف کی زندگیاں دیکھ کر قرنِ اول کے مسلمانوں کی یاد تازہ ہو جاتی ہے ۔ امیرِ شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے ان بزرگوں کے بارے میں کیا خوب فرمایا ہے کہ صحابہ کرامؓ کا قافلہ جا رہا تھا کہ یہ لوگ پیچھے رہ گئے۔

یہ بھی ایک عجیب اتفاق ہے کہ علم و عرفان کے یہ چاروں چشمے حضرت سید احمد بریلویؒ کے فیض و کرم کے بحر بیکراں سے سیراب ہوئے ہیں اور ان چاروں مراکز کے بانی سید صاحبؒ کے دامن ارادت سے وابستہ تھے۔ سید صاحبؒ نے ان بزرگوں میں جہاد کی ایسی روح پھونکی کہ یہ بزرگ زندگی بھر انگریزوں کے خلاف نبرد آزما رہے۔ آج برصغیر کی ایسی کونسی جیل ہے جسے اس سلسلۂ جنون کے بزرگوں نے اپنے انفاس طیبہ سے معطر نہیں کیا۔

بزرگانِ بھر چونڈی، امروٹ اور دین پور شریف نے اپنے اپنے حلقوں میں شرک و بدعت کو مٹا کر لوگوں کے دلوں میں توحید راسخ کی۔ ان کے مرید ایک دوسرے کو نام لے کر مخاطب کرنے کی بجائے - لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ - یا پھر - اَللّٰہ ھُو کہہ کر اپنی طرف متوجہ کیا کرتے تھے۔ ان بزرگوں کا اُمتِ مرحومہ پر بڑا احسان ہے کہ انہوں نے اپنی سعی و کاوش سے مروّجہ تصوّف کو قرنِ اوّل کا اصلی بنا کر جنیدؒ و بایزیدؒ کی یاد تازہ کردی تصوف کے اس سلسلے میں مجردوں میں ذکر و اذکار اور اشغال کرنے کی نسبت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی طرح مجاہدین کے اونٹ چرانے کو کہیں اونچا درجہ دیا گیا ہے۔ راقم الحروف کو بخاری شریف کی ایک حدیث یاد آگئی۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ ایک بار سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس کہیں سے بہت سی چادریں آئیں۔ انہوں نے اعلان کیا کہ مدینہ طیبہ کی عورتیں آکر چادریں لے جائیں۔ آخر میں ایک بڑی عمدہ چادر بچ گئی۔ حاضرین میں سے کسی نے کہا کہ آپ یہ چادر اپنی اہلیہ سیدہ ام کلثومؓ کے لئے رکھ لیں۔ امیر المومنینؓ نے فرمایا کہ ام کلثومؓ سے زیادہ اس چادر کی مستحق امّ سلیطؓ ہے جو اُحد کے میدان میں اپنی پیٹھ پر مشکیزہ لادے زخمیوں کو پانی پلاتی تھی۔ میں اکثر کہا کرتا ہوں کہ اگر ہزاروں صالح مسلمانوں کی زندگی بھر کی تہجد، اشراق اور چاشت کی نمازیں جمع کرلی جائیں تو بھی ان کا اجر پانی کے اس گھونٹ کے برابر نہیں ہوسکتا جو ام سلیطؓ میدانِ اُحد میں ایک زخمی مجاہد کے حلق میں ڈالتی تھی۔ بزرگانِ بھر چونڈی، امروٹ اور دین پور شریف اسلام کی حقیقی روح کو سمجھ گئے تھے اور انہوں نے تسبیح و تہلیل کی بجائے اپنے مریدوں کو نشانہ بازی اور بارود سازی کی تعلیم دے کر انگریزوں کے خلاف جہاد کے لئے تیار کیا۔

"بدبیضاء میں سلسلۂ قادریہ راشدیہ، جس سے یہ تینوں خانوادے وابستہ تھے، کے خانقاہی نظام پر بڑی اچھی روشنی پڑتی ہے۔ مثلاً دین پور کی خانقاہ میں بیت المال قائم تھا۔ مریداور عقیدتمند خلیفہ صاحبؒ کی خدمت میں جو نذرانے نقد وجنس کی صورت میں پیش کرتے، وہ سب بیت المال میں داخل کردیئے جاتے اور اس میں مستحقین کے علاوہ یتامیٰ اور بیوگان کو ماہ بماہ اُن کی ضرورت کے مطابق نقد وجنس ملتے رہتے۔ خلیفہ صاحبؒ کی اپنی ذاتی زمین کی آمدنی بھی بیت المال میں داخل کردی جاتی اور جب ضرورت پڑتی تو وہ گذارہ کے لئے معمولی سی رقم یا جنس بیت المال سے لے لیتے مساوات اور "سوشلزم" کی اس سے بہتر تعلیم اسلام کے علاوہ اور کونسا نظام حیات پیش کرسکتا ہے۔؟

ان بزرگوں نے مختلف علاقوں میں کام کرنے کے لئے تبلیغی جماعتیں قائم کیں۔ ان جماعتوں کے ارکان دوسروں پر بوجھ بننا پسند نہ کرتے تھے اس لئے یہ تبلیغی دوروں پر جاتے وقت بیت المال یا اپنے گھروں سے سامان خوردونوش لے جاتے تھے۔ یہاں یہ بات یاد رہے کہ یہ جماعتیں اس زمانے میں کام کررہی تھیں جب امام الدعوۃ مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ کے ذہن میں ابھی تبلیغی جماعت کے قیام کا ہیولا بھی تیار نہیں ہوا تھا۔

حسن اتفاق سے مولانا عبیداللہ سندھیؒ ان خانوادوں سے وابستہ تھے اور انہی بزرگوں کی تربیت سے موصوف بوٹا سنگھ سے امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ بنے تھے۔ اس بات میں ذرّہ بھر مبالغہ نہیں کہ برصغیر کے سیاسی اور دینی حلقوں میں ان خانوادوں کا تعارف حضرت سندھیؒ ہی کی وجہ سے ہوا۔ اگر حضرت سندھیؒ کو ان تینوں خانوادوں کا ماحصل کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔

راقم الحروف کو حال ہی میں ایک علم دوست بزرگ کے مجموعہ نوادرات میں سے امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے ۶۳ مکتوبات ملے ہیں۔ مولانا سندھیؒ ۱۹۲۲ء میں اپنے ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں کہ انہوں نے ۱۹۱۶ء میں کابل میں قیام کے دوران میں تقسیم ہند کی تجویز پیش کی تھی۔

یہ وہ دور تھا جب قائدِ اعظم محمد علی جناح کی سعی و کاوش سے کانگرس اور مسلم لیگ میں میثاقِ لکھنؤ کے نام سے ایک معاہدہ طے پایا تھا اور ہندو مسلم اتحاد کے لئے قائدِ اعظم کی خدمات کو سراہتے ہوئے کانگرسی لیڈروں نے انہیں "ہندو مسلم اتحاد کا سفیر" کہا تھا۔

جہاں تک مولانا سندھیؒ کی طرف سے تقسیم ہند کی تجویز کا تعلق ہے تو اس ضمن میں عرض ہے کہ ۱۹۲۰ء میں قاضی عزیز الدین احمد بلگرامی نے اپنے بھائی عبد القدیر بلگرامی کے نام سے بدایوں کے اخبار ذوالقرنین میں "گاندھی جی کے نام کھلی چٹھی" کے عنوان سے ایک مضمون چھپوایا جس میں انہوں نے تقسیم ہند کی تجویز پیش کی۔ ۱۹۲۳ء میں ڈیرہ اسمٰعیل خان کے ایک باشندے محمد گل خان نے ایک انکوائری کمیشن کے روبرو بیان دیتے ہوئے تقسیم ہند کا ذکر کیا تھا۔ ۱۹۲۴ء میں لالہ لاجپت رائے کے منہ سے بھی یہ بات سنی گئی۔ ۱۹۳۰ء میں الٰہ آباد کے تاریخی جلسے میں علامہ اقبال نے اس تجویز کی تائید کی اور ۱۹۴۰ء میں مسلم لیگ نے لاہور میں اپنے ایک تاریخ ساز اجلاس میں انگریزوں سے تقسیم ہند کا مطالبہ کیا۔ اب بعض اہل نظر نے علی گڑھ کے مشہور استاد مسٹر ماریسن کی ایک تصنیف کے حوالے سے یہ کہنا شروع کیا ہے کہ سب سے پہلے مسٹر ماریسن نے ۱۸۹۹ء میں تقسیم ہند کی طرف اشارہ کیا تھا۔ تقسیم ہند کی تجویز پیش کرنے والے بزرگوں کی اس فہرست میں کسی مؤرخ نے مولانا سندھیؒ کا نام نہیں لکھا، حالانکہ وہ مسلم مفکروں کی صف میں پائینیر کی حیثیت رکھتے ہیں۔

ادھر بھارت میں حصولِ آزادی کے بعد جتنی تاریخیں لکھی گئی ہیں، ان میں تحریک آزادی میں مسلمانوں کے کردار کو حذف کر دیا ہے۔ بھارتی مؤرخوں کی تصانیف پڑھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے سرے ہی سے تحریک آزادی میں حصہ نہیں لیا۔ ادھر پاکستانی مصنف نے جو کتابیں لکھیں ان کے مطالعہ سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ ہندوؤں نے تحریک آزادی میں کوئی حصہ نہیں لیا۔ اور وہ انگریزوں کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے حقوق کو پامال کرتے رہے اب وقت آ گیا ہے کہ ان تاریخی اغلاط کی تصحیح کی جائے اور جن لوگوں نے تحریک آزادی کے

دوران میں انگریزوں کا مردانہ وار مقابلہ کیا - قید وبند کی صعوبتیں جھیلیں اور جیل کی کال کوٹھریوں کو اپنے اذکار و اشغال سے منور اور معطر بنائے رکھا - انھیں تاریخ میں اُن کا جائز مقام دیا جائے -

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زیر تبصرہ کتاب کے پروف بڑی لاپرواہی سے پڑھے گئے ہیں فاضل مصنف کی کوتاہی یا کاتب کی غلطی سے ابوعلی فارمدی سے ابوعلی فاوندی، عبدالخالق غجدوانی سے عبدالخالق مجودانی، عارف ریوگری سے عارف اگوکری، محمود فغنوی سے محمود تعنوی، علی رامیتنی سے علی برائینی، بابا سماسی سے بابا مسمائی - میر کلال سے میر کلاں اور باقی باللہ سے عارف باللہ بن گئے ہیں - خواجہ حسن بصریؒ عراق کے موضع الزبیر میں امام محمد بن سیرینؒ کے پہلو میں دفن ہیں - ان کا مدفن بغداد لکھا ہوا ہے - اس طرح کی علمی کتاب میں، جو ایک مرکز علم و عرفان میں لکھی گئی اور دوسرے علمی اور روحانی مرکز میں طبع ہوئی - اس طرح کی اغلاط نا قابلِ معافی ہیں - ان اغلاط نے اس علمی کتاب کو - شبیریات - کے زمرے میں شامل کر دیا ہے -

---

بقیہ صفحہ ۱۱۷

خفاجی نے ابوحیان توحیدی کی جس عبارت کی بنیاد پر اس بحث کو طول دیا ہے اس کی بابت یہ دعویٰ کہ اس کو زیر بحث لانے کی اولیت خفاجی ہی کو حاصل ہے راقم کے نزدیک قطعاً غلط ہے - اس عبارت پر سب سے پہلے یاقوت صاحب معجم الادباء کی نظر پڑی تھی اور یاقوت نے اسی عبارت سے ۳۲۰ھ تک قدامہ کے زندہ رہنے کا ثبوت فراہم کیا ہے - اس لئے کہ یاقوت کو قدامہ کی وفات کی صحیح تاریخ معلوم نہ ہو سکی تھی اور ابن الجوزی کے بیان پر اطمینان نہ تھا - عصر حاضر میں یاقوت کے حوالہ سے اسی عبارت کو ڈاکٹر طبانہ اور آخیر میں نقد الشعر طبع جدید کے ایڈیٹر بونیباکر اپنی تحقیقات میں زیر بحث لاتے ہیں اور خود کتاب الامتاع والمؤانسہ کا حوالہ بھی دیتے ہیں - لہٰذا اس عبارت سے استناد کرنے میں اولیت کا شرف خفاجی کے حصہ میں ہرگز نہیں آتا - (باقی آئندہ)